تمہیں ہم بہت چاہتے ہیں
سعدیہ عابد

سعدیہ عابد

افسانہ

تمہیں ہم بہت چاہتے ہیں

"اشہب! تمہارے پہلو میں کھڑی لڑکی کون ہے؟" کمرے میں قدسیہ بیگم کی آواز گونجی تھی جبکہ باقی گھر کے افراد خاموشی سے اشہب کے پہلو میں سرخ شیفون کے سوٹ میں خوبصورت سی گھبرائی ہوئی لڑکی کو دیکھ رہے تھے' سب ہی کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔

"دادو! یہ ظعینہ اشہب شاہ ہے' میں نے نکاح...."

"بس اشہب شاہ!" قدسیہ بیگم نے بات کاٹی تھی۔

"کل تمہاری شادی ہے اور آج تم کسی اجنبی لڑکی کو دلہن بنا کر لے آئے ہو' جب تمہیں اس لڑکی سے شادی کرنا تھی تو ہماری پوتی کی زندگی برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی' نکل جاؤ یہاں سے اشہب شاہ! ہم تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کرتے ہیں' عاق کرتے ہیں تمہیں اپنی جائیداد سے' آج سے تم ہمارے لئے مر گئے"۔

"دادو! ایک بار میری بات......" اشہب شاہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے مگر قدسیہ بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک کر نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"تم یہاں سے جا سکتے ہو اشہب شاہ! اور یاد رکھنا تم اس دنیا کے آخری مرد نہیں تھے جو ہماری پوتی کا ہاتھ تھام سکتا تھا' ہماری پوتی اتنی اعلیٰ کردار اور گنوں والی ہے کہ اسے تم سے کہیں بہتر شخص کی رفاقت نصیب ہوگی' اب تم اپنی بیوی کو لے کر جہاں سے آئے تھے وہیں لوٹ جاؤ' اس گھر میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے"۔

"دادو!"

"سعید (اشہب کے والد) اسے کہو کہ یہ یہاں سے چلا جائے' ہم اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتے' ہم نے اس کے ساتھ زبردستی تو نہیں کی تھی' اسے ثمین سے شادی نہیں کرنی تھی تو صاف انکار کرتا یوں ہماری بچی اور خاندان کا تماشا تو نہ بناتا"۔ قدسیہ بیگم دُکھ سے کہہ رہی تھیں اور ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں اور اسی پل ہال کمرے میں مایوں کے جوڑے میں ثمین شاہ داخل ہوئی تھی' وہ نماز ادا کر رہی تھی اور سلام پھیر کر جیسے ہی دُعا کو ہاتھ اٹھائے قدسیہ بیگم کی تیز آواز کانوں میں پڑی تو وہ گھبرا کر اپنے روم سے نکلی تھی' ثمین شاہ حیرانگی سے اس اجنبی لڑکی کو اشہب شاہ کے برابر میں کھڑے دیکھ رہی تھی' اس وقت ہال کمرے میں گھر کا ہر فرد موجود تھا مگر قدسیہ بیگم کے سامنے کسی کو بولنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ قدسیہ بیگم نے اشہب شاہ کی کوئی بھی بات سننے سے انکار کر دیا تھا' ظعینہ روتے ہوئے بے بسی سے انگلیاں چٹخا رہی تھی' اشہب شاہ نے اب ماں کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھا تھا' اور بیٹے کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو دیکھ کر وہ اپنے آنسو بھول کر نرم پڑ گئیں تھیں۔

"اماں! ہمیں ایک دفعہ اشہب کی بات سن لینی چاہیئے ہوسکتا ہے اس نے ایسا مجبوری میں کیا ہو"۔

"بھابی! خواہش کو مجبوری کا نام مت دیں"۔ وحید شاہ (ثمین کے والد) درشتگی سے کہہ اُٹھے تھے۔

"پلیز چاچو! میں نے ایسا صرف مجبوری میں کیا ہے"۔ اشہب شاہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اپنوں کی سرد مہری اور نفرت اس کے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا گئے اور وہ کہتے کہتے بے بسی سے چپ کر گیا۔

"آپ لوگ پلیز! میری خاطر ان سے کوئی تعلق ختم نہ کریں' مجھ سے شادی کرنا ان کی خواہش نہیں میری مجبوری تھی' انہوں نے تو اِک بے سہارا لڑکی کو سائبان عطا کیا ہے"۔ ظعینہ جاتی ہوئی قدسیہ بیگم کے پاؤں پکڑے بہت روتے ہوئے کہہ رہی تھی' قدسیہ بیگم نے اسے کاندھوں سے تھام کر کھڑا کیا اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں' کمرے میں یکدم ہی خاموشی چھا گئی تھی اور اس سکوت کو ظعینہ کی سسکیاں توڑنے کا سبب بنی تھیں۔

"میں ایک مجرم کی بیٹی ہوں' میرے بابا نے دولت کے لالچ میں پہلے میری ماں کو قتل کر دیا اور ماموں نے ان کے خلاف کارروائی شروع کی تھی تو بابا نے ماموں کی بھی جان لے لی اور جب پولیس انہیں جگہ جگہ تلاشنے لگی تو وہ مجھے تنہا چھوڑ کر فرار ہو گئے' ایس پی اشہب شاہ نے جب پولیس ریڈ کی تو میں اس وقت اپنے گھر میں اکیلی تھی' انہوں نے جب بابا کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں کیا بتاتی کہ میں تو خود نہیں جانتی تھی' ایس پی اشہب شاہ واپس چلے گئے' ماں تو پہلے ہی مر گئی تھی اور باپ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تھا' میرے ماموں کا بیٹا احسن میرے پیچھے پڑ گیا تو میں نے اشہب شاہ سے مدد طلب کی اور انہوں نے مجھے ہاسٹل میں شفٹ کروا دیا' میں مطمئن ہوگئی تھی مگر یہ اطمینان وقتی تھا' ہاسٹل میں مجھے احسن کے فون آنے لگے اور وہ اکثر کالج کے باہر مجھے کھڑا ملتا' میں بہت پریشان تھی مگر اپنی وجہ سے بار بار کسی کو پریشان بھی نہیں کر سکتی تھی اس لئے میں نے اشہب شاہ سے کچھ نہیں کہا تھا' مگر آج صبح مجھے ہاسٹل سے یہ کہہ کر نکال دیا گیا کہ میں اچھی لڑکی نہیں ہوں روز مجھ سے ملنے لڑکے آتے ہیں' میں احسن کی فضول گوئی کی وجہ سے ہاسٹل چھوڑنے پر مجبور ہوگئی تھی اور راستے میں احسن نے میرا راستہ روک لیا' وہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا' جبھی میری خوش قسمتی سے اشہب شاہ جو وہاں سے گزر رہے تھے انہوں نے ہمیں دیکھ لیا اور احسن سے اور ان جیسے دوسرے مردوں سے مجھے محفوظ کرنے کے لئے میرے کہنے پر کہ "آپ مجھے کب تک اور کن کن لوگوں سے بچائیں گے"۔ مجھ سے نکاح کر لیا' میں نہیں جانتی تھی کہ ان کی شادی ہو رہی ہے ورنہ میں کبھی بھی ان سے نکاح نہ کرتی' میں آپ لوگوں کو دُکھ نہیں دینا چاہتی تھی یہ سب انجانے میں ہوا' ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا' میری ماں کہتی تھیں "دوسروں کی خوشیوں کے مزار پر قائم کردہ خوشیاں ناسور بن جاتی ہیں"۔ اس لئے آپ لوگوں کو آپ کی خوشیاں مبارک ہوں' میں یہاں سے چلی جاؤں گی"۔ ظعینہ نے چپ ہو کر آنسو صاف کئے اور کسی کو بھی دیکھے بناء باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

"پلیز! مجھے اور ان سب کا مجرم نہ بنائیں"۔ اشہب کے روکنے پر وہ بولی تھی' اس کے اٹھتے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"آپ کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ہے' اس گھر پر آپ کو اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا ہم سب بیٹیوں اور بہوؤں کو حاصل ہے"۔ ثمین شاہ نے آگے بڑھ کر اسے روک لیا تھا اور ہاتھ پکڑ کر قدسیہ بیگم کے سامنے رُک گئی تھی۔

"دادو! اس گھر کی سب سے بڑی بہو کو آپ ایسے ہی جانے دیں گی' کیا آپ چاہیں گی کہ جس لڑکی سے آپ کے پوتے نے نکاح کیا ہے اس پر کسی کی گندی نگاہ بھی پڑے' وہ اتنے بڑے گھر کے ہوتے ہوئے بے سائبان رہے' ہمیں تو اشہب کو اس کے فیصلے پر سراہنا چاہیئے' فخر کرنا چاہیئے کہ اس نے اتنی بڑی نیکی کا کام کیا ہے"۔ ثمین شاہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہہ رہی

تھی۔

''میں کسی مجرم کی بیٹی کو اپنی بہو تسلیم نہیں کر سکتی''۔

''کسی کے جرم کی سزا کسی اور کو دینا دانشمندی نہیں ہے بہو! اور جب تمہارا بیٹا نیکی کر سکتا ہے تو تم کیوں اس کا ساتھ نہیں دے سکتیں''۔ قدسیہ بیگم نے بہو سے کہتے ہوئے ظلعینہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''آپ کچھ بھی کہیں اماں! ضروری تو نہیں تھا اشہب اس لڑکی کو نکاح کے بعد ہی لے کر آتا' اگر ویسے ہی لاتا تو میں اس کے سر پر دستِ شفقت رکھ سکتا تھا مگر اب نہیں' اس نے تو نیکی کرنی تھی وہ کر لی' اس کا خمیازہ تو ہمیں بھگتنا پڑے گا' میں وحید سے کیا کہوں کہ میں تیری بیٹی کی برات نہیں لے کر آ رہا کیونکہ میرا بیٹا کسی سے شادی کر چکا ہے' میں کس کس کو اس کی نیکی کی داستان سناؤں گا اماں! اور یہ وحید کس کس کو اپنی بیٹی کی صفائی دیتا پھرے گا''۔ سعید شاہ بہت غصہ میں تھے۔

''بڑے بھائی! نہ آپ کو کسی کو صفائی دینے کی ضرورت ہے اور نہ ہی مجھے' اشہب نے ایک صحیح کام غلط انداز میں کیا ہے لیکن مجھے اس پر کوئی غصہ نہیں ہے' یہ میری بیٹی کا نصیب نہیں تھا' میری بیٹی کا جو نصیب ہے وہ اُسے مل جائے گا' اور جہاں تک دنیا والوں کی بات ہے ان کا کام باتیں بنانا ہے' دو چار دن باتیں بنائیں گے پھر اس قصے کو بھول جائیں گے''۔ وحید شاہ نے اس مشکل گھڑی میں بہت حوصلے سے کام لیا تھا' ثمین شاہ نے اپنے ہاتھ میں پڑے کنگن جو اسے اسماء تائی نے شگن کے طور پر پہنائے تھے اتار کر ظلعینہ کی کلائی میں ڈال دیئے تھے اور وحید خان نے آگے بڑھ کر اپنی ایثار پسند اور باحوصلہ بیٹی کی پیشانی چوم لی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں اماں! میں ثمین کو بہت پہلے سے اپنی بہو بنانا چاہتی تھی' مگر ثمین اور اشہب کا رشتہ بابا جان نے جوڑا تھا ان کی خواہش کے احترام میں میں چپ کر گئی' مگر آج آپ کے اور بھائی کے سامنے جھولی پھیلاتی ہوں' ثمین مجھے دے دیں''۔ مریم خان بہت اُمید سے کہہ رہی تھیں۔ ثمین تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی' اس نے تو بچپن ہی سے صرف اشہب شاہ کے سپنے اپنی آنکھوں میں سجائے تھے جب محبت کے ہجے بھی نہیں آتے تھے تب سے وہ اسے چاہتی آ رہی تھی اور وہ اس کا نصیب بننے جا رہا تھا اس کے ہاتھوں میں مہندی بھی لگ گئی تھی مگر اچانک ہی اس کی محبت اس سے روٹھ گئی تھی وہ بھی جب ملن میں فقط 48 گھنٹوں کا فاصلہ تھا اور اب یہ فاصلہ زندگی بھر کا تھا' جسے کوئی ختم نہیں کر سکتا تھا' اشہب شاہ کسی اور کا ہو گیا تھا اور اسے نہ چاہتے ہوئے بھی صرف ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے اس انسان سے شادی کرنی تھی جسے وہ ناپسند کرتی تھی' مگر وہ خاموش ہو گئی تھی کیونکہ اشہب کی جگہ کوئی بھی ہوا سے کیا فرق پڑتا تھا۔

''میں جانتی تھی اشہب! کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے' تم مجھ سے شادی صرف بڑوں کا مان رکھنے کے لئے کر رہے ہو مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ تم اتنی آسانی سے میری جگہ کسی اور کو دے دو گے''۔ سونے سے پہلے ثمین شاہ نے اپنی محبت سے آخری شکوہ کیا تھا اور نیند کی وادی میں اُترتی چلی گئی تھی۔

............☆............

قدسیہ بیگم کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سعید شاہ کی 3 اولادیں تھیں' اشہب' مصعب اور سب سے چھوٹی ہانیہ شاہ تھی۔ وحید شاہ کے دو بچے تھے ثمین چھوٹی تھی اور متین بڑا تھا اور اس کی شادی ہانیہ سے ہو رہی تھی۔ ثاقب اکلوتی بیٹی اور فہام خان' تنبیلا خان اور فرغان خان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ فہام اپنے بابا جان کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا اور اسی سے اب ثمین کی شادی طے ہوئی تھی۔ فہام کم گو' تنہائی پسند اور قدرے غصیلا تھا اسی لئے نٹ کھٹ سی ثمین شاہ سے اس کی ہر وقت ٹھنی رہتی تھی' ثمین کو تو اس کے نام تک سے چڑ تھی اور وہ فہام کی وجہ سے ہی اکلوتی پھپھو کے گھر بہت کم جاتی تھی۔

............☆............

ثمین کو بیٹھے بیٹھے آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا' وہ پہلے ہی کوفت کا شکار تھی ایکدم ہی اسے غصے نے آ گھیرا اور وہ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے زیورات اتارنے لگی' سلیقے سے سیٹ ہوئے آنچل کی پنیں نکال کر دوپٹہ اتارا اور سائیڈ میں رکھتے ہوئے بیڈ سے اُتر گئی' وارڈ روب میں سے سادہ کاٹن کی شلوار قمیض نکال کر واش روم میں گئی اور جب شاور لے کر نکلی تو کچھ بہتر فیل کر رہی تھی' بالوں کو تولیے سے خشک کرتی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر برش کرنے لگی اور برش واپس رکھ کر بیڈ کی جانب بڑھی اور تبھی اس کی نگاہ کمرے کے در و دیوار سے ٹکرائی تھی' لائٹ گرے کلر کی اسکیمنگ کے ساتھ بیش بہا فرنیچر اور کمرے کے ایک کونے میں چھوٹی سی اسٹڈی جہاں کمپیوٹر اور ڈھیروں کے حساب سے کتابیں رکھی تھیں' کمرہ کمرے کے مالک کے حسین ذوق کا پتہ دے رہا تھا مگر ثمین بے دلی سے کمبل تان کر لیٹ گئی تھی کیونکہ گرے کلر اس کا سب سے ناپسندیدہ رنگ تھا۔

فہام خان نے جب کمرے میں قدم رکھا تو کمرے میں خاموشی کا راج تھا' ثمین مزے سے سو رہی تھی' اس نے اپنی شیروانی اتار کر چیئر پر ڈالی اور کرتے کے بٹن کھولتا واش روم میں چلا گیا' شاور لینے کے بعد روم فریج سے پانی نکال کر پیا اور لیمپ آف کر کے روم میں پڑی راکنگ چیئر پر بیٹھ کر کتاب اٹھائی' اس کی عادت تھی وہ رات ہونے سے پہلے مطالعہ ضرور کرتا تھا' وہ کافی دیر تک ٹیبل لیمپ کی روشنی میں مطالعہ کرتا رہا اور جب نیند نے آنکھوں پر دستک دی تو کتاب واپس رکھ کر اُٹھ گیا' بیڈ کے نزدیک آتے ہی اس کی نگاہ سوئی ہوئی ثمین پر پڑی جسے وہ اب تک جانے انجانے میں فراموش کئے ہوئے تھا' فہام سوچ میں تھا کہ اب کیا کرے' بیڈ کے علاوہ کمرے میں دوسری کوئی ایسی چیز بھی موجود نہیں تھی جس پر سویا جا سکتا اور بیڈ پر تو ثمین نے قبضہ کیا ہوا تھا' وہ بیڈ کے بیچوں بیچ سو رہی تھی' وہ جھنجلاتا ہوا پلٹ گیا اور اسی وقت ثمین ''ماما'' چلاتی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس کے یوں چلانے پر فہام خان نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر لیمپ آن کر دیا تھا' وہ سہمی سہمی سی بیٹھی تھی۔

''واٹ ہیپن؟'' فہام نے روکھے لہجے میں پوچھا۔

''نن...... نن...... تھنگ''۔ لرزتی ہوئی آواز نکلی تھی' فہام نے کچھ اور پوچھے بنا لیمپ آف کرنا چاہا تھا۔

''پلیز! اسے آف مت کریں' مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے''۔

''یہ میرا پرابلم نہیں ہے کیونکہ میں روشنی میں سونے کا عادی نہیں ہوں''۔ کہتے ساتھ ہی لیمپ آف کیا اور تکیہ اُٹھا کر نیچے کارپٹ پر پٹخا اور اسٹڈی کرنے کے لئے جلایا لیمپ آف کر کے لیٹ گیا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا چھا گیا تھا' وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر وقتاً فوقتاً کمرے میں گونجنے والی سسکی اسے سونے نہیں دے رہی تھی' وہ جھنجلا کر اٹھ کر بیٹھ گیا' جیب میں سے لائٹر نکال کر جلایا اور اس کی روشنی میں سوئچ بورڈ تک گیا اور کمرے کی لائٹیں آن کر دیں' اور کچھ بھی کہے بغیر کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گیا' اس کی اس حرکت پر وہ بھونچکا رہ گئی تھی اور آنسو پہلے سے زیادہ تیزی سے اس کے رخسار بھگونے لگے تھے۔

''آپ......''

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' اندھیرے سے ڈر لگتا ہے' اجالا ہو گیا ہے خاموشی سے سو جائیں' مجھے ڈسٹرب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور میں روز روز یہ تماشے برداشت نہیں کروں گا' اندھیروں سے زیادہ ہی دشمنی ہے تو روشنیوں کا مسکن ڈھونڈ لیجئے گا' یہاں برسوں سے اندھیرے کا راج ہے اور یہ روشنی میں ہرگز بھی برداشت نہیں کروں گا' اور نہ ہی آپ کی خاطر اپنی نیند قربان کروں گا' گڈ نائٹ!'' فہام خان معروف سے انداز میں بنا پلٹے کہہ رہا تھا' وہ صبح سے بھاگ دوڑ میں لگا تھا اور اب مستقل بیٹھے بیٹھے وہ

تھک گیا تھا' موذن کی آواز کانوں میں گونجنے لگی تو کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرتا وضو کرنے چل دیا' فجر کی نماز وہ ہمیشہ گھر ہی میں پڑھتا تھا مگر آج اس کا رُخ مسجد کی جانب تھا۔

''تھمین بیٹا! فہام کہاں ہے' شاور لے رہا ہوگا' جیسے ہی آئے دونوں نیچے آجانا' تمہارے پھپھا ناشتے کے لئے کب سے بیٹھے ہیں' ایسا نہ ہو وہ سارا ناشتہ اکیلے ہی ختم کردیں''۔ شہلا خان دھیرے سے مسکرائی تھیں۔

''پھپھو سمجھ رہی ہیں فہام نہا رہے ہیں جبکہ وہ تو گھر پر ہی نہیں ہیں' جانے غصہ میں کہاں گئے ہوں گے' میری بلا سے جائیں بھاڑ میں' میں کیوں فکرمند ہو رہی ہوں' اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیا' اب مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے تو کیا کروں' برسوں پرانا خوف ایک دم سے تو ختم نہیں ہو جائے گا' یہ بات فہام کو کون سمجھائے' اشہب ہوتا تو فوراً......'' تھمین نے ایکدم ہی لب بھینچ لئے مگر آنکھیں نم ہونے سے نہیں بچا پائی تھی' بچپن کی محبت محض کسی سے کاغذی رشتہ جڑنے سے تو ختم نہیں ہو سکتی تھی' اسے بھلانے اور نئی تصویر لگانے میں کچھ وقت درکار تھا' وہ اپنے آنسو صاف کرتی ڈائننگ ہال میں آ گئی تھی' اس نے اپنی چیئر سنبھالی ہی تھی کہ فہام خان چلا آیا' وہ دانستہ اسے نظر انداز کرتی اپنے لئے چائے بنانے لگی تھی' فہام خان نے ہلکا پھلکا ناشتہ کیا اور کمرے میں آ گیا' بیڈ پر لیٹتے ہی اسے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

............☆............

''فہام!''

''جی ماما! کوئی کام مجھ سے؟'' فہام خان نے رات کے اس پہر ماں کو اپنے روم میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

''تم نے' تھمین سے کچھ کہا ہے؟'' شہلا خان کی بات پر وہ چونکا۔

''تھمین کل ثاقبہ کے روم میں سوئی تھی' میں نے سوچا شاید تھکن کے مارے وہ ثاقبہ کے روم میں ہی باتیں کرتے کرتے سو گئی ہوگی مگر وہ آج بھی ثاقبہ کے روم میں سو رہی ہے' ابھی تم دونوں کی شادی کو دو ہی دن ہوئے ہیں' تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہے تو......''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ماما! ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہوا ہے اور تھمین کو میں نے ہی ثاقبہ کے روم میں کچھ لینے بھیجا تھا اور آپ تو جانتی ہیں جہاں دونوں باتیں بنانے میں ماہر ہیں نیند کی بھی ایک دم کچی ہیں' کہیں بھی سو جاتی ہیں''۔ ماں کو مطمئن کرنے کے لئے وہ اپنا غصے کنٹرول کرتے ہوئے بمشکل مسکراتے ہوئے بولا تھا اور اس کی بات کی شہلا خان بھی قائل ہو گئی تھیں' کیونکہ ثاقبہ اور تھمین اپنی نیند کی وجہ سے پورے ہی خاندان میں مشہور تھیں۔

''آپ جا کر سو جائیں ماما! آپ کو وہم پالنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ شادی میں نے اپنی پوری رضامندی سے کی ہے' آپ یہ مت سوچیں کہ مجھ پر جبر کیا گیا ہے یا میں غصہ میں تھمین کے ساتھ کچھ بُرا کروں گا' اب تھمین میری ذمہ داری اور عزت ہے جس سے میں پہلو تہی نہیں کروں گا''۔

''مجھے معلوم تھا میرا بیٹا بہت اچھا ہے ماں کی بات سے انکار نہیں کرے گا جبھی تو میں نے تمہاری مرضی جانے بغیر ہی تھمین کو مانگ لیا تھا''۔ شہلا خان فخر سے کہتیں اس کے روم سے نکل گئی تھیں' ان کے پیچھے ہی وہ باہر نکلا تھا اور ثاقبہ کے روم کا رُخ کیا تھا۔ ثاقبہ کمرے میں نہیں تھی (شاید وہ نہا رہی تھی کیونکہ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی) اور تھمین سو رہی تھی' فہام خان نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا جگ اٹھایا تھا اور سارا پانی اس پر ڈال دیا تھا' وہ اس افتاد پر گھبرا کر اُٹھی تھی اور اس کی نگاہ گھورتے ہوئے فہام خان پر جا ٹھہری تھی' وہ ابھی کچھ سمجھ بھی نہیں تھی کہ فہام خان نے اس کی کلائی پکڑی تھی اور تقریباً کھینچتا ہوا اسے روم میں لایا تھا اور بیڈ

دھکیلتے ہوئے اس کی کلائی اپنی مضبوط گرفت سے آزاد کر دی تھی۔

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے' کسی کو اٹھانے کا یہ کون سا طریقہ ہے......؟''

''بدتمیزی یہ نہیں ہے' وہ ہے جو تم نے کی ہے' کل بھی اور آج بھی''۔ اس کی بات کاٹ کر وہ دھاڑا تھا اور اس کے یوں چلانے پر تھمین سہم سی گئی تھی۔

''تمہیں ثاقبہ کے کمرے میں سونے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ایسا کرنے کے لئے آپ نے ہی مجھ سے کہا تھا' آپ نے خود ہی تو مجھے اپنی اندھیر نگری سے نکل جانے کو کہا تھا''۔ تھمین روتے روتے بولی تھی۔

''بہت خوب' میں نے جانے کو کہا اور آپ چلی گئیں' میں پنکھے سے لٹک جانے کو کہوں گا تو لٹک جائیں گی' اپنی بے زاری و کوفت کو میرے سر ڈالنے کی کوشش نہ کریں' اتنی ہی فرمانبردار ہوتیں تو اندھیرے میں رہنے کی عادت ڈالتیں' یوں تماشا نہ بناتیں' اور ایک بات یاد رکھنا تھمین شاہ! میں اپنی ذات و نام پر کوئی حرف آنا پسند نہیں کروں گا' مجبوری میں ہی سہی مگر یہ رشتہ جوڑ ہی لیا ہے تو اس کا احترام بھی کرو' یوں سب کے سامنے سب بُرا ہے کی عملی تفسیر بن کر میرا تماشا مت لگاؤ''۔ فہام خان غصے سے کہتا اسے ساکت چھوڑ کر چیئر پر آ بیٹھا۔ ذہن بہت اُلجھا ہوا تھا اس لئے کوئی کتاب نہیں اٹھائی تھی' سر چیئر کی بیک سے لگا کر آنکھیں موند لیں تھیں' تھمین کچھ کہے بنا روتے روتے ہی سو گئی تھی۔

............☆............

''ہائے تھمین! کتنی حسین لگ رہی ہو' فہام بھیا تو گئے کام سے' پارٹی میں جانا کینسل' وہ بس تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر گنگناتے رہیں گے''۔

''تو میرا دل' تو میری جان
جانے جاں مہربان''

سامنے تو بیٹھا رہیں ہر ویلے میں تکتا رواں''۔ ثاقبہ بلیک کلر کی شارٹ شرٹ کے ساتھ ڈیپ ریڈ پٹیالہ شلوار کے ساتھ نک سک سے تیار تھمین کو دیکھ کر شرارت سے گنگنانے لگی تھی۔ تھمین ناگواری کے باوجود سرخ پڑ گئی تھی' باہر سے آتے فہام خان کی نگاہ اس کے شرمائے گھبرائے چہرہ پر پڑی تو وہ پل بھر کو ٹھٹک کر رہ گیا اور کچھ لمحے بے خودی کی نذر ہو گئے۔

''آہم......'' ثاقبہ کھنکاری تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''میں نے ٹھیک کہا تھا ناں بھائی! سامنے تو بیٹھا رویں''۔

''ثاقبہ!'' تھمین نے اس کی فضول گوئی پر گویا بند باندھا تھا اور وہ ہنستے ہوئے اشارے سے بیسٹ آف لک کہتی اپنے روم میں چلی گئی تھی۔ ابھی تھمین جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ شہلا خان چلی آئیں' انہوں نے تھمین کی بلائیں لیں اور کتنے ہی روپے اس پر سے وار کے نوکرانی کو دیئے اور ان دونوں کو دعاؤں تلے رخصت کیا۔

''مجھے کل آفس کے کام سے آؤٹ آف سٹی جانا ہے اور آپ بھی میرے ساتھ جا رہی ہیں' گھر جا کر پیکنگ کر لیجئے گا''۔ فہام خان ڈرائیونگ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہنے لگا تو وہ پریشان ہو اُٹھی۔

''آپ چلے جائیں' میں جا کر کیا کروں گی؟''

''مجھے بھی آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ماما بہت بار کہہ چکی ہیں کہ ہمیں کہیں گھومنے جانا چاہئے' کل تک میرا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر اب میں آفس کے کام سے جا رہا ہوں اور ایک ہفتہ تو کم از کم لگے گا' اس لئے آپ کو بھی لے جا رہا ہوں تاکہ ماما کو کچھ تسلی ہو جائے اور یہ فارمیلٹی میں صرف ماما کی وجہ سے ہی نبھا رہا ہوں''۔ فہام خان کا انداز بے حد خشک تھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو فارمیلٹی

نبھانے کی' آپ واپسی میں مجھے "شاہ پیلس" چھوڑ دیجئے گا' میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی"۔ تھمین قدرے ترشی سے بولی تھی اور آنکھیں نہ جانے کیوں بھیگ گئی تھیں۔

"میں نے آپ کی رائے طلب نہیں کی صرف ہمارے جانے کا بتایا ہے' اور ان دو ماہ میں مجھے اتنا تو جان ہی گئی ہوں گی کہ میں اپنی بات دہراتا نہیں ہوں"۔ فہام خان اپنی بات مکمل کر کے ڈرائیونگ ڈور کھول کر باہر آ گیا تھا' تھمین کا سارا موڈ غارت ہو گیا تھا مگر وہ لب بھینچے اتر گئی تھی اور اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگی تھی۔

"اپنی شکل کے بگڑے ہوئے زاویوں کو درست کر لیں' ایک بار پہلے آپ کو سمجھایا تھا کہ تماشا لگانا مجھے پسند نہیں ہے"۔

"مجھ سے یہ دکھاوا نہیں ہوتا' جب انسان خوش ہی نہ ہو تو چہرے سے خوشی چھلک بھی کیسے سکتی ہے"۔

"انسان کرنا چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے اور جب جھوٹی مسرت میرے چہرے پر سج سکتی ہے' میں خوش ہونے کا دکھاوا کر سکتا ہوں تو آپ کیوں نہیں؟" اس نے ایک طنزیہ مسکراہٹ تھمین پر اچھالی تھی اور وہ دونوں ہی شادی ہال میں داخل ہو گئے تھے' فہام خان کے بچپن کے دوست مرتضیٰ احمد کا آج ولیمہ تھا۔

"تجھ جیسا بے مروت انسان کوئی نہ ہو گا' اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی"۔ مرتضیٰ اس سے بغلگیر ہوتا شکوہ کر رہا تھا' فہام خان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ابھی کر لے جتنی بکواس کرنی ہے' وہ وقت دور نہیں ہے جب تو بھی ہر جگہ لیٹ پہنچا کرے گا' اور مسمسی سی صورت بنا کر کہتا نظر آئے گا "بیگم کی تیاری ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی"۔ فہام خان کے قہقہے کے ساتھ ہی مرتضیٰ کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا تھا جبکہ تھمین اسے کافی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"دیکھ لیں بھابی! اس نے ساری برائی آپ کے کھاتے میں ڈال کر خود کو کتنی صفائی سے بچا لیا ہے"۔ مرتضیٰ نے تھمین کو مخاطب کیا تھا اور وہ زبردستی مسکرانے لگی تھی۔

"یہ تو ان کی بہت پرانی عادت ہے' یہ اپنی ذات پر تنقید......" وہ جانے کیا کہنے لگی تھی کہ ایک دم چپ کر گئی' فہام خان نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی تھی مگر بظاہر مسکرا رہا تھا۔

"فہام کے بچے! بہت بے وفا نکلے تم' اتنا بھی نہ ہو سکا کہ شادی میں ہی بلا لیتے"۔ تھمین نے بہت زیادہ حیرت سے اس لڑکی کو دیکھا تھا' بلیک کلر کے ایمبرائیڈری بیل باٹم میں' گولڈن براؤن شولڈر کٹ بالوں کے ساتھ وہ لڑکی بہت استحقاق سے فہام خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے شکوہ کر رہی تھی۔

"حد ہو گئی بھئی' میرے بچوں سے میں ہی آج تک نہیں ملا"۔ مصنوعی حیرت سے کہتے ہوئے اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

"اب بکواس مت کرو اور شرافت سے بتاؤ' ایسی کیا آفت آ گئی تھی کہ میری غیر موجودگی میں ہی نکاح پڑھا لیا"۔ اس نے اپنی جھینپ مٹانے کو ایک مکا فہام کے جڑا تھا۔

"تم سے تو میں نکاح پڑھوا نہیں رہا تھا جو تمہاری ضرورت پڑتی۔ ماما نے کہا "فہام شادی کر لو" اور میں نے کر لی"۔ لبوں پر بڑی شریر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"او...... اب تم اتنے بھی سیدھے نہیں ہو' تمہارے عشق کی داستان ازبر ہے مجھے' اور کہاں ہے تمہاری بیوی ملواؤ گے نہیں"۔ امشیٰ خالد نے اس کا مذاق اڑایا تھا اور کچھ فاصلے پر کھڑی کب سے ان کی باتیں سنتی تھمین کے "عشق کی داستان" پر کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"تم تو جب بولو گی فضول ہی بولو گی' اب کھڑی کیوں ہو آؤ تمہیں اپنی وائف سے ملواتا ہوں"۔ فہام خان نے ادھر ادھر نگاہ گھمائی تھی اور اسے تھمین کچھ فاصلے پر ارتضیٰ کی بہن کے ساتھ باتیں کرتی نظر آئی تو وہ امشیٰ کو لیے وہیں چلا آیا تھا۔

"امشیٰ! میٹ مائی وائف تھمین فہام خان! اور تھمین یہ میری بہت اچھی فرینڈ امشیٰ خالد ہے' ہمارا ساتھ چھ برس پرانا ہے"۔

"اور اس میں سارا کریڈٹ مجھے جاتا ہے' یہ تو ایک نمبر کا کھامڑ شخص ہے اور جانتی ہو یہ کالج اور یونیورسٹی میں "سڑو نمبر ون" کے نام سے مشہور تھا"۔ امشیٰ بہت فرینکلی انداز میں تھمین کا ہاتھ تھامے ہوئے بولی تھی جبکہ تھمین اس وقت چاہ کر بھی نہیں مسکرا سکی تھی۔ پھر امشیٰ نے ان دونوں کو نیکسٹ ڈے ڈنر پر انوائٹ کیا تو فہام بولا۔

"سمجھا کرو امشیٰ! کل آنا پاسیبل نہیں ہے' میں میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد جا رہا ہوں"۔

"میں کچھ نہیں جانتی فہام! تم کل کی میٹنگ کینسل کر کے تھمین کے ساتھ میرے گھر ڈنر کے لئے آ رہے ہو"۔ امشیٰ بہت مان اور دھونس سے کہہ رہی تھی۔ فہام خان کو مانتے ہی بنی جبکہ تھمین بھونچکا رہ گئی تھی۔ اپنے اصولوں سے نہ ہٹنے والا فہام خان کتنی جلدی اپنا فیصلہ بدل گیا تھا اس کی حیرت بے جا نہیں تھی۔

"اوکے بائے تھمین! کل ملاقات ہو گی"۔ تھمین جواب میں کچھ بھی کہے بغیر فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تھی' فہام خان اس کی بدتمیزی نوٹ کرتا گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور کار اسٹارٹ کر دی تھی۔

"مجھے تو کسی سے بھی بات کی تمیز ہے نہ مینرز آتے ہیں مگر آپ کو تو آتے ہیں ناں' آپ خود ہی اعلیٰ اخلاق کی تشہیر کرتے پھریں' میں بداخلاق ہی بھلی"۔ فہام خان نے اس کے رویے کی بدصورتی کا احساس دلانا چاہا تو وہ اپنی نیچر کے خلاف بہت بدتمیزی سے بولی تھی۔

"یہ کس لہجے میں مخاطب ہیں آپ' میں کوئی آپ کا غلام نہیں ہوں' آئندہ زبان سنبھال کر بات کیجئے گا' اور جب میں آپ کے گھر والوں کے سامنے آپ کا پردہ رکھے ہوئے ہوں تو آپ مجھے لب کشائی کرنے پر مجبور نہ کریں' آج تو آپ نے میرے فرینڈز کے سامنے بکواس کرنے کی کوشش کی تھی آئندہ ایسی حرکت کرنے کے بارے میں سوچا بھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا"۔

"آپ کس پردے کی بات کر رہے ہیں' جو کچھ آپ کر رہے ہیں میری خاطر نہیں اپنا بھرم رکھنے کے لئے کر رہے ہیں تو مجھ پر احسان کیوں جتاتے رہتے ہیں"۔ تھمین اس کے تیز و تند لہجے پر چیخ کر رہ گئی تھی۔

"یہ تمہاری کج ادائیاں کوئی اور سہہ کر دکھائے تو
یہ جو ہم میں تم میں نباہ ہے میرے حوصلے کا کمال ہے"

فہام خان نے کار سے اترتی ہوئی تھمین کی کلائی تھام کر شعر پڑھا تھا' اور کلائی آزاد کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"مجھے صرف اپنا بھرم قائم رکھنا ہوتا ناں تھمین بی بی! تو تم یوں اپنی من مانیاں کرتی نظر نہ آتیں' میں تمہیں بتاتا کہ بھرم کیسے قائم رکھا جاتا ہے' اس لئے جو جیسا چل رہا ہے چلنے دو' کبھی تمہاری جیت' تو کبھی میری ہار' ایسی سچویشن پیدا مت کرو کہ کبھی کبھی کی جیت کا مزہ بھی کھو بیٹھو اور تمہارے نہ چاہتے ہوئے بھی میں فہام خان! فاتح ٹھہروں"۔ فہام خان نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر قدرے جھکتے ہوئے اپنے رومال سے تھمین کے آنسو صاف کئے تھے اور رومال اس کی گود میں ڈالتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا گال اپنے بھاری مردانہ ہاتھ سے ہلکے سے تھپتھپایا تھا اور اسے ساکت چھوڑ کر کمرے کا رخ

کیا تھا۔

☆

''فہام! ہاتھ چھوڑیں میرا' ایسے کہاں لے کر جا رہے ہیں مجھے''۔ وہ سنی ان سنی کرتا اس کی کلائی تھامے لاؤنج سے نکال کر باہر کی جانب بڑھا تھا اور لان میں بیٹھیں ثمین کی والدہ اور تائی حیرت زدہ سی رہ گئی تھیں' جبکہ اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''چھوٹی مامی! میں ثمین کو لے جا رہا ہوں' ہمیں ارجنٹ ایک پارٹی میں پہنچنا ہے' واپسی میں یہیں چھوڑ دوں گا''۔ ثمین کی ماما کے کچھ کہنے سے پہلے وہ بولا تھا اور اسے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر دھکیل کر گاڑی زن سے باہر نکالی تھی۔

''5 منٹ میں تیار ہو کر نیچے آ جاؤ ورنہ اسی حالت میں لے جاؤں گا''۔ فہام خان نے اسے بیڈ پر دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ مجھے میرے باپ کے گھر سے تو زبردستی اپنا حق جتاتے ہوئے لے آئے ہیں لیکن اپنے ساتھ خاص اس حلیے میں اپنی برسوں پرانی شناسا کے گھر ڈنر پر نہیں لے جا سکتے' ایسا کرنے میں آپ کی ذات پر حرف جو آئے گا''۔ اس وقت وہ سادہ کاٹن کے ملگجے سے کپڑوں میں تھی۔ فہام نے رات ہی اسے چلنے کو کہہ دیا تھا مگر وہ اس کے آفس جاتے ہی ماما کے گھر آ گئی تھی اور جب شام سات بجے فہام خان لوٹا تو اسے اشتعال نے آ گھیرا اور وہ پہلی فرصت میں شاہ پیلس پہنچا تھا اور اسے زبردستی اپنے ساتھ واپس گھر لایا تھا اور حکم نامہ جاری کیا تھا۔

''تم آخر کیا چاہتی ہو' روز روز ڈرامہ کر کے ثابت کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''ڈرامے میں نہیں آپ کرتے پھر رہے ہیں' تماشا بنا کر رکھ دیا ہے مجھے سب کے سامنے' شادی نہیں کرنا تھی تو نہ کرتے' پہلے ہی دن سے کیوں مجھے ٹیز کر رہے ہیں' شادی کر کے تو مہان بن گئے مگر سارے جرم میرے کھاتے میں ڈال دیئے' اپنے کمرے میں میرا وجود برداشت نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ میں اور کہیں بھی نہ سوؤں' گھومنے جانا خود نہیں چاہتے اور نہ جانے کا سبب مجھے ٹھہراتے ہیں' پہلے ہی دن سے خود مجھ سے بیر باندھ لیا' مجھ سے نفرت کا اظہار کرتے رہے اور چاہتے ہیں میں آپ کے آگے پیچھے پھروں' کیوں؟ لیکن کیوں کروں میں یہ سب؟ جب آپ کو میری پرواہ نہیں ہے تو میں کیوں آپ کی پرواہ کروں؟ اور میں نے یا میرے ماں باپ نے آپ کے سامنے تو جھولی نہیں پھیلائی تھی' میں نے کوئی فریاد نہیں کی تھی آپ سے کہ مجھے ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی کو اپنے جیون میں شامل کر لیں''۔ ثمین روتے روتے دل میں جو آ رہا تھا بس کہے جا رہی تھی اور فہام خان اتنے الزامات پر بس ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا مگر اس کی آخری بات پر اپنا سارا ضبط کھو بیٹھا۔

''تمہاری اسی سوچ کی وجہ سے میں اب تک فضول بے رُخی کا ڈرامہ کرتا رہا' تمہارے دماغ میں جو یہ فضول سا بے اعتباری اور احساسِ کمتری کا کیڑا کلبلا رہا ہے اسے باہر نکال پھینکو اور اس دن تو بہت بڑی بڑی باتیں کر رہی تھیں کہ ''اشہب نے ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دیا ہے' ہمیں اس پر فخر کرنا چاہئے' اور ایسے میں تم ایک ٹھکرائی ہوئی لڑکی کیسے ہوئیں' کیوں سوچتی ہو تم ایسا؟''

''آپ نے مجھے مجبور کیا ہے یہ سب سوچنے کے لئے' بچپن سے لے کر آج تک جس سے آپ کی بھی نہیں بنی' جس لڑکی کی ہر بات سے ہمیشہ آپ کو اختلاف رہا' جو لڑکی آپ کی نگاہ میں زبان دراز' بدتمیز پھوہڑ اور ایک نمبر کی نکمی تھی اس سے آپ نے کس خاموشی سے بنا کچھ کہے نکاح کر لیا' کیا وہ لڑکی اگر یہ سوچتی ہے کہ اس شخص نے اس پر احسان کیا ہے تو غلط سوچتی ہے؟''۔ ثمین اس کے سامنے کھڑی سوال کر رہی تھی۔

''ہاں! غلط سوچتی ہے کیونکہ ضروری تو نہیں یہ احسان ہی ہو' اس کی خاموشی مجبوری کی داستان ہو' اس کی خاموش رضامندی کے پیچھے کوئی انوکھا و دلکش سا احساس بھی تو ہو سکتا ہے' وہ زبان دراز' بدتمیز و نکمی لڑکی دل بن کر اس کے دل میں دھڑکتی ہو' اسے جینے کا احساس بخشتی ہو' اس کی پہلی اور آخری چاہت ہو''۔ فہام خان بہت ٹھہرے لہجے میں کہتا اسے حیرانگیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں پہنچا گیا۔

''تم سوچتی ہو میں نے تم سے شادی ماں کی بات کا مان رکھنے کے لئے کی' نہیں ثمین! نہیں' صرف ماں کی فرمانبرداری کرنا ہوتی تو میں کب کا شادی کر چکا ہوتا' میں نے اپنی ماں کی کبھی کوئی بات نہیں ٹالی تھی مگر یہ دل...... جب مجھ سے بے وفائی پر اُترا' ایک خودسر اور ضدی ہر وقت چیخنے چلانے' شور برپا کئے رکھنے والی معصوم سی گلابی چہرے والی' بھوری آنکھوں والی لڑکی نے وہ دل چرا لیا تو' میرے بس میں کچھ نہیں رہا' میں تم سے محبت کرتا تھا اور تم کسی اور سے' اور صرف تمہاری خوشی کے لئے میں نے اپنی محبت کو دفن کر دیا مگر تمہاری جگہ ماں کے بہت مجبور کرنے پر بھی کسی کو دینے کے لئے یہ دل رضامند نہ ہو سکا' حیران ہو ناں' میں بھی ایسے ہی حیران ہوا تھا جس پل مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں مگر کبھی تم سے کہا نہیں کیونکہ تم اشہب کی منگیتر تھیں اور سب سے بڑھ کر تمہاری آنکھیں اس کے سپنے دیکھتی تھیں' یہ حقیقت مجھے بہت بے کل کر گئی تھی' میں نے روشنیوں سے ناتا توڑ کر اندھیروں سے دوستی کر لی' اور جب اشہب' ظعینہ بھابی کو لے کر آیا تھا تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میں نے اس سے بہت نفرت محسوس کی تھی اور ماما نے تمہیں نانو سے مانگا تو مجھے لگا کسی نے مجھے نیا جیون وان کر دیا ہے' محبت کو پا لینے کا احساس خوشبو بن کر جسم و جاں میں اترتا چلا گیا اور تم ہمیشہ کے لئے میری بن گئیں''۔ فہام خان بہت جذب سے کہہ رہا تھا اور ہر کہا جملہ اور بات کی سچائی اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی مگر وہ اب تک بے یقین تھی اور کچھ بول نہ سکی تھی۔

''جب آپ کو مجھ سے محبت تھی تو آپ کا یہ رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟''

''وہ سب میں نے جان کر کیا کیونکہ میں تم پر جتنی محبتیں لٹاتا تم اتنی مجھ سے اس سب کو احسان سمجھ کر دور جاتی رہتیں' تم سے شادی کا میرا فیصلہ تمہاری نگاہ میں احسان تھا اور مجھے یہ منظور نہیں تھا کہ تم میرے سچے جذبوں کی توہین کرو' اسے احسان سمجھ کر محسوس ہی نہ کرو' میں تو تمہارے قلب میں دھڑکن بن کر دھڑکنا چاہتا تھا' مگر تم نے تو اول روز سے ہی مجھے کسی قابل نہیں سمجھا' کیا کیا سوچ کر میں نے اس شب کمرے میں قدم رکھا تھا کہ تمہیں ڈانٹوں گا' تمہاری سوچ بدل دوں گا' تم میری چاہت کی پھوار میں بھیگ کر ماضی کی ہر محبت بھلا دو گی مگر جب میں نے کمرے میں بہت سے خواب سجاتے ہوئے قدم رکھا تو تم اس شب کو پڑی سو رہی تھیں جس کے انتظار میں' میں نے کتنی راتیں جاگ کر گزاری تھیں''۔ فہام خان کے لہجے میں دُکھ اور کچھ کھونے کی چبھن در آئی تھی۔

''یہ سچ ہے میں نے ہمیشہ اشہب کو چاہا تھا مگر اشہب کو چاہنے والی ثمین تو اسی لمحے مر گئی تھی جب اشہب نے اس کی جگہ کسی بھی جذبے کے تحت ایک دوسری لڑکی کو دی تھی اور جب میں نے نکاح نامے پر دستخط کئے تو اس پل کسی اشہب کی محبت نے میرا دامن نہیں روکا تھا' ایک مشرقی عورت کی طرح میں نے اپنا ماضی بابل کی دہلیز پر چھوڑ کر آپ کے گھر تک کا فاصلہ طے کیا تھا' اور اس شب میں آپ کی منتظر تھی مگر میرا انتظار رائیگاں گیا تھا اور میری سوچ پختہ ہو گئی تھی کہ آپ نے مجبوری میں ناتا جوڑا ہے اور اس پل مجھے اپنی بے

وقتی پر بہت رونا آیا تھا اور بعد میں' میں نے جو کچھ بھی کیا وہ آپ کے عمل کا ردعمل تھا"۔ ثمین اسے دیکھے بناء سر جھکائے کھڑی تھی۔ فہام خان نے اسے دیکھا ر دو کر آنکھیں اور گلابی چہرہ سرخ ہو گیا تھا' وہ کچھ پل اسے یونہی دیکھتا رہا تو وہ گھبرا کر اور کچھ شرما کر وہاں سے جانے لگی تھی مگر فہام خان نے اس کے ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"فہام! مجھے جانا ہے"۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش ناکام ہوتے دیکھ کر وہ نظریں جھکا کر بولی تھی' اس کی آنکھوں میں دیکھنا تو اس کے بس سے باہر تھا اور وہ مزے سے اس کے احساسات نوٹ کر رہا تھا۔

"اب جانے کی بات کی ناں' تو جان سے مار دوں گا' تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا کتنا طویل بن باس کاٹا ہے"۔ وہ تھوڑے رعب سے بولا تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ مسکرانے لگا۔

"تمہاری اسی ادا نے میرا دل چرایا تھا' ایک نظم سنو گی! میں نے خود لکھی ہے صرف تمہارے لئے"۔ فہام خان نے شہادت کی انگلی سے اس کے آنسو اپنی پور پر سمیٹ لئے تھے اور اس کا سر اثبات میں ہل گیا تھا۔ فہام خان نے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی اور کاندھوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھایا تھا اور خود کارپٹ پر اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا تھا اور کچھ پل اسے تکتے رہنے کے بعد اس کی ساحری آواز کمرے میں گونجنے لگی تھی۔

تمہیں بتائیں کیسے جاناں!
کہ تمہیں ہم کتنا چاہتے ہیں
اظہار کے سب لفظ کھو گئے ہیں
تمہیں ہم اپنی وفا کا یقین دلانے کو
بس! اتنا ہی کہہ سکتے ہیں
تم خدا سے مانگی ہر اِک دُعا میں
ہاتھ کی لکیروں' دل کی دھڑکنوں میں
آتی جاتی سانسوں' وقت کی نبضوں میں
اپنوں کے میلے' غیروں کے جھمیلوں میں
زندگی کے لمحوں' سمندر کی لہروں میں
ہجر کی تمازت' وصل کی خواہشوں میں
ہر جگہ بس تم ہی تم ہو جاناں!
گر میری بات کا یقین نہ آئے تم کو
خود پوچھ لو اس خدا سے
کہ ہم جب بھی دُعا کو ہاتھ پھیلاتے ہیں
کس کو مانگتے ہیں' تمہیں' ہم بہت چاہتے ہیں

فہام خان چپ ہو گیا تھا اور ثمین اتنی زیادہ چاہت پر ساکت رہ گئی تھی اور ایک آنسو فہام خان کے ہاتھ کی پشت پر گرا تھا' جو ثمین کے گھٹنے پر رکھا تھا۔

"فہام! آج آپ نے مجھے ایک حیات نو بخشی ہے' اور میں اس حیات کا ہر لمحہ صرف آپ کے نام کرتی ہوں' میں بھی آپ کے جتنی محبت تو نہیں کر سکوں گی مگر کوشش ضرور کروں گی کہ میرا ہنسنا' میرا رونا' میرا سب کچھ صرف آپ کے لئے ہو"۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔

"اس سے زیادہ مجھے کچھ چاہئے بھی نہیں' میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم میری ہو اور میں صرف تمہارا ہوں"۔ وہ دونوں اِک دوسرے کو دیکھ کر دل سے مسکرا رہے تھے اور اب انہیں ایک دوجے کی ہمراہی میں یونہی مسکراتے رہنا تھا کیونکہ محبت فاتح عالم ٹھہری تھی' کسی کی خاموش محبت ایک ناکام محبت کو بھلانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور ایسے میں دُکھوں کی گنجائش کہاں نکلتی تھی' ان دونوں کو ایک دوجے کی مسکراہٹ بنے آنے والے ہر پل سے خوشیاں کشید کرنی تھیں کیونکہ محبت بھی تو سچے دل والوں کو دُعا دیا کرتی ہے اور زندگی محبت کی چھاؤں تلے ہر غم اور دُکھ سے آزاد ہو کر آزاد فضا میں اُڑتے پنچھیوں کی مانند پرسکون و بے خوف ہو جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆